سوال وجواب

# کیا اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہے؟

بہاول پور سے محمود علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :

"آپ کا مضمون "فقہ جدید کی ضرورت" پڑھنے کے بعد یہ سوال ذہن میں آیا۔ کہ اجتہاد کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا اور ہم اب تک یہی سنتے آئے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے۔ اس لئے پہلے تو اس کی وضاحت فرمائیے کہ اگر واقعی فقہ جدید کی ضرورت ہے جیسا کہ آپ کے مضمون سے واضح ہے تو یہ اجتہاد کے بغیر کیسے ممکن ہے اور اگر اجتہاد کیا جائے تو یہ مسئلہ کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے، کدھر جائے گا؟ ان دونوں باتوں میں ایک ہی بات ممکن ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اس زمانے میں حضرت فاروق اعظم یا امام اعظم جیسے لوگ موجود ہیں جو اجتہاد کا حق ادا کر سکیں اگر نہیں ہیں تو وہ اجتہاد کیسے ممکن ہے جس کے بغیر فقہ جدید کی تدوین ہی ممکن نہیں؟"

**ثقافت** ۔ آپ کے سوالات سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فقہ جدید کی تدوین کی ضرورت آپ بھی محسوس کرتے ہیں لیکن اس راہ میں چند مشکلات حائل نظر آتی ہیں جنہیں ایک یہ عام تصور ہے کہ اجتہاد کا دروازہ تو ہمیشہ کیلئے مسدود ہو چکا ہے یعنی بات یوں ہوئی کہ

فقہ جدید کی تدوین ضروری، مگر

اس کے لئے اجتہاد لازمی، اور

اجتہاد کا دروازہ بند، لہذا

فقہ جدید کا دروازہ بھی ضروری ہونے کے باوجود بند۔ یہ بات کیا ہوئی؟

سب سے پہلے تو یہ فرمائیے کہ یہ کلیہ دا صول کہ "اجتہاد کا دروازہ بند ہے" کب بنا؟ اور اس کے لئے کون سی نص کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں موجود ہے؟ اجتہاد کا دروازہ بند کرنا کسی نص سے تو ثابت نہیں۔ ہاں یہ خود ایک اجتہاد ہی ہے لہذا پہلے تو اسی کا دروازہ بند ہونا چاہیئے۔ ورنہ اگر کچھ لوگ اپنے اجتہاد سے یہ فرما سکتے ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہے تو اسی طرح کچھ لوگوں کو یہ اجتہاد کرنے کا بھی حق ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہوا ہے۔

اس بارے میں مشہور حدیث معاذ بن جبل ہماری بصیرت کے لئے بہت کافی ہے :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما اراد ان یبعثہ الی الیمن قال لہ کیف تقضی اذا عرض لك قضاء؟ قال اقضی بکتاب اللہ تعالیٰ، قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال اقضی بسنۃ رسول اللہ قال فان لم

تجد فی سنۃ رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ؟ قال اجتہد برأیی ولا آلو فضرب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ (رواہ ابو داؤد والترمذی عن معاذ)

حضور نے جب معاذ بن جبل کو قاضی یمن بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ سے فیصلہ دوں گا۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم اس کے متعلق نہ ملے تو؟ عرض کیا: سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ فرمایا: اگر وہاں بھی نہ ملے؟ عرض کیا کہ پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کرونگا۔ حضورؐ نے معاذ کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اس خدا کے لئے حمد ہے جس نے رسولِ خدا کے اس فرستادہ کو رسولِ خدا کی مرضی کے مطابق چلنے کی توفیق بخشی۔

اس حدیث سے جو بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ:

(۱) کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد عین مرضیٔ رسولؐ ہے۔

(۲) یہ اجتہاد کچھ معاذ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو فیصلہ کرنے کے منصب پر ہو۔ اگر صرف معاذ ہی کے ساتھ یہ خصوصیت ہوتی تو "خاصۃ لک من دون المؤمنین" فرما دیا جاتا۔ علاوہ ازیں پھر نہ صحابہ میں کوئی مجتہد ہوتا نہ ائمہ اربعہ وغیرہ کو مجتہد ہونے کا کوئی حق پہنچتا۔

ہمارے اس بیان کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ:

اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد فاخطأ فلہ اجر۔ (رواہ الشیخان وابو داؤد عن عمرو بن العاص)

اگر کوئی قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لئے دو اجر ہیں (ایک صحیح ہونے کا دوسرا خود اجتہاد کا) اور اگر وہ اس اجتہادی فیصلے میں غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملے گا (صرف اجتہاد کا)

اس حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حقِ اجتہاد صرف سیدنا معاذ کے لئے نہ تھا بلکہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو منصب قضا (حکم) پر مامور ہو۔ نیز یہ حقیقت بھی اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضورؐ ایسے حکام و قضاۃ کو اجتہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور ایسے اجتہاد کے وقت خطا کے امکان سے جو وحشت پیدا ہو سکتی اس سے بھی بے پروا کر کے ایک اجر (اجتہاد) کی بشارت دیتے ہیں۔ زندگی کے ارتقا پذیر ممکنات اجتہاد ہی سے وابستہ ہیں اور اس کا دروازہ وہ رسولؐ کیسے بند کر سکتا تھا جس کا سب سے بڑا کارنامہ ہی ممکناتِ حیات کو بروئے کار لا کر ارتقاء پذیری کی راہ پر لگانا ہے؟

اب آپ کے سامنے دو راہیں یا دو قسم کے اجتہاد ہیں:

ایک یہ اجتہاد کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہے۔ اس کی تائید میں کوئی نص نہیں بلکہ خود اپنی آپ تردید ہے اس لئے کہ اجتہاد کا دروازہ بند تو کیا گیا ہے مگر یہ خود ہی ایک ایسا اجتہاد ہے جس کا دروازہ پہلے بند [illegible] جانا چاہیئے۔ کیونکہ

اپنے اجتہاد سے اجتہاد کا دروازہ بند کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص نماز میں کچھ بولنے لگے تو دوسرا نمازی بحالتِ نماز کہے کہ تمہاری نماز خراب ہوگئی کیونکہ تم بول رہے ہو۔

دوسرا اجتہاد یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھلا ہے اور اس اجتہاد کی تائید میں نصوص صریحہ اور عقلِ سلیم دونوں ہی ہیں۔

اب آپ کو اختیار ہے کہ ان دو اجتہادی راہوں میں سے جسے چاہئے قبول فرمالیجئے۔

ایک ضروری تجزیہ۔ بات دراصل یوں ہے تقلید اور اجتہاد بظاہر دو متناقض چیزیں ہیں۔ مقلّد مجتہد نہیں ہوتا اور مجتہد مقلّد نہیں ہوسکتا۔ جب قوّتِ فکریہ کمزور پڑ جاتی تو اس میں جمود آجاتا ہے اور ارتقا پذیری کی نمود ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں آسان راستہ یہی سمجھ لیا جاتا ہے کہ خود مغز کھپانے کی بجائے دوسروں کی فکر پر اعتماد کلّی کر لیا جائے۔ خود سوچنے میں خطا کا بھی امکان ہے لہٰذا یہ خطرہ کیوں مول لیا جائے؟ کیوں نہ اپنے برے [illegible] کی ذمے واری کسی اور کے کاندھوں پر ڈال دی جائے؟ اسی کا نام تقلید ہے۔ یہ جمود کئی طرح کی مجبوریوں سے پیدا ہوتا ہے۔ حریّتِ ضمیر علم اور قوّتِ فکریہ کی عام کمی اس کا بڑا سبب ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جب انسان دوسرے دھندوں یا کاروبار میں پھنس جاتا ہے تو اس غریب کو نازک مسائل سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اگر اس میں معقول قوّتِ فکریہ ہوتی بھی ہے تو وہ دوسری کاروباری راہوں میں لگ جاتی ہے۔ ان مجبوریوں کا پیش آنا ضروری ہے اور ایسی حالت میں اس غریب کے لئے اس کے سوا چارۂ کار ہی کیا ہے کہ کسی کی تقلید کرکے اس پر کلّی اعتماد کرے۔ ہم بھی ایسے لوگوں کے لئے اجتہاد کی اجازت نہیں دے سکتے بلکہ ان کے لئے تقلید ہی مناسب ہے۔

لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ تقلید ایک مجبوری کا نام ہے۔ یہ ایک وقتی اور عبوری چیز ہے جس کے بغیر عموماً چارۂ کار نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ یہ کوئی مقصد اور نصب العین اور دائمی دستور العمل نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بچے کو ابتداءً مکمل تقلید ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ استاد اسے جس طرح الف ب بتائے اسی طرح اسے کہنا پڑتا ہے۔ ایک مدّت تک اسے یوں ہی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ایک منزل ایسی بھی آنی چاہئے جب وہ اس تقلید سے چھٹکارا حاصل کرلے اور خود پڑھنے پڑھانے کے لائق ہو جائے۔ یہی صورت معاشرے کی ہے کہ اس کے اندر تقلید بھی رہے مگر وہ مقصود نہ ہو بلکہ ہر دور کے معاشرے میں ایسے افراد بھی پیدا ہوتے رہیں جو تقلید کے ابتدائی زینے سے گزر کر بامِ اجتہاد پر پہنچیں۔

ہماری اس مثال سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ نہ تمام افراد ہر آن مجتہد ہو سکتے ہیں اور نہ ہر فرد کے لئے مقلد ہونا ضروری ہے۔ بہت سے افراد تقلید و اعتماد کی راہ اختیار کریں گے اور کچھ حضرات درجۂ اجتہاد پر فائز ہوں گے۔ ان ہی کو احادیث میں اولوالاحلام والنُّھٰی کہا گیا ہے جسے اہلِ حل وعقد بھی کہتے ہیں۔

دوسرے سوال کا جواب۔ یہیں سے آپ کے دوسرے سوال کا جواب شروع ہو جاتا ہے۔ درحقیقت ہر دور میں

مقلّدین کے ساتھ ساتھ مجتہدین بھی ہوتے رہے ہیں اور اہلِ اجتہاد سے کوئی زمانہ بھی خالی نہیں رہا ہے۔ اہلِ اجتہاد کی موجودگی سے میری مراد یہ ہے کہ اس کی صلاحیت واہلیت رکھنے والے لوگ ہر دَور میں ہوتے رہے ہیں. کسی نے اجتہاد کیا، کسی نے اس کی بہت تھوڑی جرأت کی اور کسی نے ڈر کر اس کی ہمّت ہی نہ کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ "اب فاروقِ اعظم اور امام اعظم جیسے لوگ کہاں ہیں جو اجتہاد کا حق ادا کریں"؛ یعنی چونکہ اب ویسے لوگ موجود نہیں اس لئے اجتہاد بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر یہی استدلال ہے تو کل کو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت علی مرتضیٰ جیسے مجاہد کہاں ہیں ـــ جو دشمن کے تھوکنے کے بعد اس کے سینے سے اُتر آئیں ـــ لہذا اب قتال فی سبیل اللہ نہیں ہوسکتا۔ اب فاروقِ اعظم جیسے صاحبِ ایثار وعدل کہاں ہیں ـــ جو قحط میں گھی کھانا چھوڑ دیں اور اپنے فرزند کو بھی دُرّے لگانے سے دریغ نہ کریں ـــ اس لئے اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال ہی چھوڑ دینا چاہئے۔ اور نظامِ عدلیہ کو ختم کر دینا چاہئے۔ اب امام ابوحنیفہ جیسے عالم ومتقی استادِ فقہ کہاں ملیں گے لہذا درسِ فقہ کا خاتمہ ہوجانا چاہئے۔ اور پھر اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے معلّمِ دین کا شرفِ صحبت کہاں نصیب ہوسکتا ہے اس لئے دینی تعلیم حاصل کرنا ہی بے کار ہے۔ وغیرہ وغیرہ

اس قسم کے خدشات وشبہات کو آپ وسعت دیتے چلے جائیں تو زندگی کے ہر شعبے میں مایوسی ہی مایوسی نظر آئے گی اور آخر پورے اسلام ہی سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ سیدھی بات یہی ہے کہ اس قسم کی مایوسانہ باتوں سے نہ زندگی کی تعمیر ہوسکتی ہے نہ معاشرتی مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔ ہر دَور کے جملہ مسائل کا حل یوں ہی نکلے گا کہ "ان مسائل کے اہلِ حل وعقد" ـــ جیسے بھی اُس دَور میں موجود ہوں ـــ اجتہاد کریں اور غلطی کے منطقی امکانات سے نہ ڈریں۔ خطا کے امکانات صدرِ اوّل میں بھی موجود تھے۔ اگر یہ امکانات نہ ہوتے تو حضورؐ یہ کیوں فرماتے کہ "مصیب کے لئے دو اجر ہیں اور مخطی کے لئے ایک اجر ہے"؛ اور فقہ کا یہ مسلّمہ کہاں سے بنتا کہ المجتهد يخطي ويصيب (مجتہد کی رائے ٹھیک بھی ہوتی ہے اور وہ غلطی بھی کر جاتا ہے)؛ خطا اور غلطی ہی تو انسان کا مابہ الامتیاز ہے۔ غلطی وخطا ہی تو انسان کو ارتقاء کی طرف لے جاتی ہے۔ حیوانات غلطی نہیں کرتے اس لئے ان میں عقلی ارتقا بھی نہیں۔ انسان غلطی کرتا ہے تو اس کی تلافی کرتا ہے، ٹھوکر کھاتا تو سنبھلتا ہے اور اسی طرح اس کے تجربات اسے ارتقا کی طرف لے جاتے ہیں ورنہ وہ ایک ہی حالتِ جمود میں پڑا رہے اور بے خطا جانوروں پر اسے کوئی شرف حاصل نہ ہو۔ قصۂ آدم میں بڑی خوبصورتی سے یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ خطاکار آدم کو بے خطا فرشتوں پر کیوں فضیلت حاصل ہوئی؟

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ ہر کس وناکس کو اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ کسی دَور میں اجتہاد وہی لوگ کریں گے جو اُس دَور کے اربابِ حل وعقد ہوں۔ اور پھر اہلِ حل وعقد بھی ان ہی مسائل کے ہوں جن میں اجتہاد مطلوب ہو۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ اجتہاد کا حق صرف مولوی ہی کو حاصل ہے۔ ہم اس کی تشریح اپنے مضمون "فقہ جدید کی ضرورت"

میں کر چکے ہیں عاسے ملاحظہ فرما لیجئے۔

اگر آج ہم میں علی مرتضیٰ اور خالد و ضرار کے نہ ہونے کے باوجود جہاد و قتال کر سکتے ہیں، اگر عمر فاروق اور قاضی شریح کے موجود نہ ہونے پر بھی نظام عدالت قائم کر سکتے ہیں، اگر حضور اکرم کے پردہ فرمانے کے باوجود دینی نظام کی جدوجہد کر سکتے ہیں تو یقیناً امام ابوحنیفہ و شافعی نہ ہونے کے باوجود اجتہاد بھی کر سکتے ہیں تو یقیناً امام ابوحنیفہ و شافعی نہ ہونے کے باوجود اجتہاد بھی کر سکتے ہیں۔ دروازہ نہ اُس کا بند ہے نہ اِس کا۔

اجتہاد کا مطلب ائمہ مجتہدین کا انکار یا ترک یا ان سے سرتابی نہیں بلکہ ان کی مساعی مشکورہ اور قابلِ قدر کوششوں ہی سے فائدہ اُٹھانا ہے۔ اس سلسلے میں سیدنا فاروق اعظم کی ایک تحریر جو آپ نے قاضی شریح کے جواب میں لکھی تھی بڑی لطیف اور سبق آموز ہے۔ آپ نے لکھا کہ :

ان اقض بما فی کتاب اللہ فان لم یکن فبسنۃ رسول اللہ فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ فاقض بما قضی بہ الصالحون فان لم یکن فیما قضی بہ الصالحون فان شئت فتقدم وان شئت فتأخر ولا اری التأخر الا خیرا لک والسلام۔ (رواہ النسائی عن شریح)

اے شریح! تم کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو، اگر وہاں نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے کرو، اگر ان دونوں میں بھی نہ ہو تو صلحاء کے فیصلوں کے مطابق کرو، اگر صلحاء کے فیصلے میں بھی نہ ہو تو خواہ بروقت ہی خود فیصلہ کرلو یا ذرا غور و فکر کے بعد کرو۔ اور میری رائے میں تمہارے لئے ذرا غور و فکر کرلینا ہی بہتر ہے۔

اس فرمانِ فاروقیؓ سے جو نکات مترشح ہوتے ہیں وہ یہ ہیں :

(۱) کتاب اللہ کو ہر حال میں مقدم رکھنا چاہیئے۔

(۲) اس کے بعد سنت رسول اللہ میں تلاش کرنا چاہیئے۔

(۳) اس کے بعد صالحین کے فیصلوں سے استفادہ کرنا چاہیئے جو نظائر (PRECIDENTS) کا کام دیتے ہیں۔

(۴) اس کے بعد اپنی فکر و اجتہاد کو کام میں لانا چاہیئے۔

(۵) اجتہاد کا فوری نہ ہونا بہتر ہے۔

(۶) یہ عین ممکن ہے کہ کوئی معاملہ قرآن میں نہ ملے، سنت میں بھی نہ ملے اور پھر پچھلے نظائر میں بھی نہ آئے۔ اور خود اجتہاد کرنا پڑے۔

(۷) گویا اجتہاد کا دروازہ بند نہیں اس لئے کہ زندگی اور معاشرے کی تشکیل ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتی۔ ہر روز نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ زندگی کے ممکنات لا انتہا ہیں اور اس کے تنوعات بھی لامحدود ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں —— اور یقیناً نہیں —— کہ قرآن، حدیث اور فقہ میں قیامت تک کے ہونے والے واقعات

کی تفصیلات اور ان کے فیصلے درج ہو گئے ہوں۔ جب یہ نہیں تو اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

**ایک ضروری نکتہ**۔ یہاں آگے چلنے سے پہلے ایک ضروری حقیقت بھی سن لیجیے کہ اجتہاد صرف اسی وقت نہیں ہوگا جب کتاب وسنت وفقہِ صلحاء میں کچھ نہ ملے بلکہ یہ اجتہاد اس وقت بھی ہوگا جبکہ صلحاء کی رائیں مختلف ہوں اس وقت بھی ہوگا، جب حدیثیں مختلف نظر آئیں بلکہ اس وقت بھی ہوگا جب قرآن کی تعبیریں متعدد پہلوؤں کی حامل ہوں۔

ایسے تمام مواقع پر ایک حاکم، قاضی اور مجتہد اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک فیصلے کو اختیار کرے گا اور یہ اختیار کرنا بالکل حق بجانب اور حقِ اجتہاد کا صحیح استعمال ہوگا۔ مصیب دو اجروں کا اور مخطی ایک اجر کا مستحق ہوگا۔

**اجتہاد کا دروازہ کیوں بند کیا گیا؟**۔ اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا اگلے بزرگانِ دین کے سامنے یہ باتیں نہ تھیں جو آج بیان کی جا رہی ہیں؟ آخر انہوں نے کیوں اجتہاد کا دروازہ بند کیا؟ اس کے جواب میں ہم صرف وہی کچھ عرض کریں گے جو علامہ خضری نے "اصول الفقہ" میں لکھا ہے۔ وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ:

> جس دور میں اجتہاد کا دروازہ بند کیا گیا اس وقت اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ اس وقت اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بیسیوں مدارسِ خیال پیدا ہو جاتے اور باہم سخت تصادمات ہوتے اور ہر شخص مجتہد بن کر گمراہی پھیلاتا۔ ایسی حالت میں اجتہاد کا دروازہ بند کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اُمت زیادہ انتشار سے بچ گئی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کسی معاملے میں اب اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں۔

یہ ہے تشریحی ترجمہ علامہ خضری کا جو انہوں نے اصول الفقہ کے آغاز میں لکھا ہے۔

(محمد جعفر شاہ)

---

**مسئلہ اجتہاد**
مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی
قیمت دو روپے آٹھ آنے

**الدین یسر**
مصنفہ مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی
قیمت پانچ روپے

ملنے کا پتہ

**منیجر ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور**